© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ناصر عباس نیر

ہند پر مغرب کے اثرات:
تاریخ، نوعیت اور طریقِ کار
(انیسویں صدی تک)

مغرب اور ہند کے روابط قدیم زمانے سے ہیں۔ ان روابط کی ''استواری'' میں زیادہ ہاتھ مغرب کا ہے۔ ہرچند تیسری صدی قبل مسیح، عہد اشوک اعظم میں ایک ہندستانی قافلہ مغرب کی سمت عازم سفر ہوا تھا، مگر اس سفر کی نوعیت اُن اسفار کی نوعیت سے یک سر مختلف تھی، جو مغرب نے ہند کی طرف کیے۔ یہ سفر تبلیغی تھا۔ بدھ مشنریوں کو جانب مغرب بھیجا گیا تھا۔ جب کہ اہلِ مغرب (اور یہاں مراد یورپی ہیں) ہندستان کے جنوبی ساحل، مالا بار پر خالصتاً تجارتی غرض سے، لنگر انداز ہوتے رہے۔ ہرچند ان کے ساتھ یا ان کے بعد عیسائی مشنری بھی آئے، مگر ان کی تبلیغی سرگرمیاں، تجارتی سرگرمیوں کی کامیابی سے مشروط ہوتیں۔ ہند کے مغرب کی طرف اور مغرب کے ہند کی طرف سفر کے مقاصد کا فرق، دونوں خطوں کی ذہنیتوں اور تہذیبوں کا بھی فرق ہے۔ ہند قدرتی وسایل، زرعی زرخیزی اور قابل رشک تہذیبی و علمی روایت کا علم بردار رہا ہے۔ بنابریں اُسے باہر کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ صرف یہی نہیں سوائے یورپیوں کے جتنی اقوام یہاں آئیں ہند میں بسنے کے بعد انھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہند سے باہر اور واپس جانے کا خیال نہیں آیا۔

ہند کی پوری تاریخ میں بہ حیثیت مجموعی پانچ مغربی لہریں ہندستان میں داخل ہوئی ہیں۔ سب سے پہلی لہر خالصتاً عسکری تھی، جب سکندر اعظم (۴ صدی ق م) اپنی افواج قاہرہ کے ساتھ ہندستان پر حملہ آور ہوا۔ باقی لہریں تجارتی نوعیت کی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد ازاں تجارتی اغراض بہ وجوہ سیاسی اور عسکری مقاصد میں تبدیل ہوئیں۔ یونانیوں کے بعد پندرھویں صدی عیسوی میں پُرتگالی آئے۔ جب پُرتگالی ہندستانی بحری تجارتی راستوں پر قبضہ جمانے میں کام یاب ہو گئے تو دوسری یورپی اقوام بھی للچائی نظروں سے ہندستان کی طرف دیکھنے اور پُرتگالیوں کو اپنا حریف سمجھنے لگیں۔ پہلے ڈچ، پھر فرانسیسی اور آخر میں انگریزوں نے ہند کے بحری راستوں میں قسمت آزمائی کی۔ پُرتگال، ہسپانیہ میں ضم ہونے کی وجہ سے منظر سے ہٹ گیا، جب کہ انگریزوں نے باقی دو حریفوں پر غلبہ پالیا۔

یونانیوں سے لے کر برطانویوں تک، تمام مغربی اقوام نے ہندستان کی معیشت، سیاست اور ثقافت پر اثرات مرتسم کیے، مگر ان تمام اثرات کو عمومی مغربی اثرات قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایک، اس لیے کہ یونانی، پُرتگالی، ڈچ، فرانسیسی اور انگریزی، مغربی الاصل ہونے کے باوجود بعض منفرد ثقافتی خصائص رکھتے ہیں، دوم یہ کہ ہندستان میں ان کے قیام کا دورانیہ ہند کے سیاسی تعلق کی نوعیت اور تجارتی مقاصد کے حصول کے طریقِ کار مختلف تھے۔ مثلاً سکندر اعظم یونانی نے ہر چند ہندستان کے بعض علاقوں کو فتح کیا، مگر اُس نے ہندستان پر یونانی معاشرت مسلط کرنے کا کوئی اقدام نہیں کیا، اس نے اپنے ہندی مقبوضات کی زمام اقتدار مقامی لوگوں کے سپرد کی اور مقامی سماجی، ثقافتی اداروں کو نمو پانے میں مدد دی۔ (۱) اس طرح یونانیوں نے ہند کے ثقافتی و علمی ورثے کے احترام کا رویہ پیدا کیا۔ انھوں نے ہند کے ساتھ نوآبادیاتی طرز کا رشتہ استوار نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ یونانیوں نے اہل ہند سے غیر معمولی اثرات قبول کیے۔ عبداللہ یوسف علی نے لکھا ہے کہ ہیروڈوٹس (۵ ویں صدی ق م) کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمانے سے یونانی، ہندستان کی ثقافتی زرخیزی کے معترف تھے۔ اور یہ کہنا قرین قیاس ہے کہ یونانی کلچر میں روحانی ترفّع کا وصفِ خاص ہندستانی اثرات کی دین ہے۔ (India and Europe, P 17)

ڈیڑھ ہزار سال کے زائد عرصے تک مغرب کو ہند کی یاد نہیں آئی۔ یہاں تک کہ پندرھویں صدی کے خاتمے پر پُرتگالی ہندستان کے جنوبی ساحل کالی کٹ کے مقام پر اترے۔ پرتگالی پہلی مغربی قوم تھی، جس نے ہندستان کا سیدھا بحری راستہ دریافت کیا۔ پرتگال کے پرنس ہنری نے تو تمام عمر ہندستان تک سیدھے بحری راستے کی تلاش میں گزار دی۔ اُس نے پوپ سے یہ اجازت نامہ بھی حاصل کرلیا کہ ہندستان تک پرتگیزی جن علاقوں کو دریافت کر لیں گے، وہ پرتگال کے ماتحت ہوں گے (اسی سے چرچ اور ریاست کے تعلق کی نوعیت بھی سمجھ میں آتی ہے)۔ واسکودے گاما، البوگریک، ڈاؤدے کاسترو پرتگال کی بحری مہموں کے سربراہ تھے۔ پہلی کامیاب مہم ۱۴۹۵ء میں ممکن ہوئی، جس کا سربراہ واسکودے گاما، تھا۔ پرتگالی خالصتاً تجارتی غرض سے ہندستان آئے۔ انھوں نے ہندستان میں کوئی باقاعدہ سلطنت قایم نہیں کی، البتہ جنوبی ہندستان کے بعض علاقوں میں قلعے بنائے، گرجے بنائے، سکول کالج قایم کیے، گوا میں میونسپلٹی کی بنیاد رکھی۔ (ہاری، کمپنی کی حکومت، ص ۳۵ تا ۴۰) اس طرح پرتگالیوں نے محدود پیمانے پر ہندستانی معیشت، ثقافت اور زبان کو متاثر کیا۔ ان اثرات کا محض تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں محفوظ رہ گیا ہے۔ برصغیر کے کلچر کے زندہ عناصر میں ان اثرات کو تلاش کرنا مشکل ہے۔ بس یہ چند الفاظ، جیسے الماری، بالٹی، بوتل، پیپا، چابی، گرجا، گودام پرتگالیوں کے آمد کی لسانی شہادت دیتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ پُرتگالی نوآبادیاتی عزائم رکھتے تھے، مگر ہسپانیہ کے فلپ دوم نے پرتگال کو اپنی نوآبادی بنا کر ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا، تاہم ۱۵۹۵ء تک پرتگالی مشرق کی بحری تجارت پر قابض رہے۔

سولھویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی کے آغاز میں دیگر یورپی اقوام، جیسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولندیزی، فرانسیسی اور انگریز پرتگالی تاجروں کے مدّمقابل آکھڑے ہوئے۔ پرتگال ہسپانیہ کا حصہ بننے کے بعد اپنی خود مختاری سے محروم ہو چکا تھا۔ ہر چند کچھ عرصے تک پرتگالی تاجر اپنی ہندستانی تجارتی فتوحات سے فائدہ اٹھاتے رہے، مگر دوسری قوموں کی بڑھتی ہوئی قوت نے پرتگالیوں کو جلد ہی شکست سے دوچار کر دیا۔ ولندیزی اور فرانسیسی بھی انگریز تاجروں کے آگے زیادہ عرصہ تک نہ ٹھہر سکے اور سترھویں صدی میں ہی انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی، ہندستانی تجارت پر مکمل طور پر قابض ہوگئی۔

حقیقت یہ ہے کہ برصغیر پر اگر کسی مغربی قوم نے ہمہ گیر اور دیرپا اثرات مرتب کیے ہیں تو وہ انگریز قوم ہے۔

انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی (قیام ۱۶۰۰ء) کے پرچم تلے ہندستان وارد ہوئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی، ایک تجارتی کمپنی تھی، جسے برطانوی پارلیمان نے ہندستان میں تجارت کرنے کا پروانہ (چارٹر) جاری کیا تھا، جس کی ہر بیس سال بعد تجدید ہوتی تھی۔ کمپنی کو اپنی حفاظت کے لیے مسلح فوج اور تعلیم کے لیے پادری رکھنے کی اجازت دی گئی۔ بعد کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اجازت بہت سوچ سمجھ کر دی گئی اس لیے کہ کمپنی کے دفاع و تعلیم کے ان اداروں کے نتیجے میں ہی ہندستان برطانوی نو آبادی بنا۔ کمپنی نے ہندستان کو اپنی مقبوضہ سلطنت بنانے کے لیے طاقت اور حکمت عملی دونوں کا استعمال کیا، کہیں دونوں کا الگ الگ مگر زیادہ تر دونوں کا ساتھ ساتھ استعمال کیا۔ کہیں اکیلی فوج لڑی مگر زیادہ تر انگریز فوجی اور پادری ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ رہے۔ جہاں گیر جب سر تھامس رو کو تجارت کا پروانہ دے رہا تھا تو وہ کمپنی کے پروانے (چارٹر) کو "پڑھنے" میں ناکام رہا۔ یہ ناکامی پوری مغل سلطنت کی ناکامی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

۱۶۰۵ء سے ۱۹۴۷ء تک ہندستان میں انگریزی مقاصد تو یکساں رہے، مگر ان مقاصد کے حصول کے طریق ہائے کار میں برابر تبدیلی و ترقی ہوتی رہی۔ بنیادی انگریزی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقاصد تجارتی و معاشی تھے اور یہ مقاصد مسلمہ تجارتی آداب سے بے نیاز تھے، جن میں فریقین کا فائدہ ونقصان دونوں کی باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے۔ پہلے ان کے حصول کا طریق کار سفارتی تھا، پھر عسکری اور سیاسی ہوا اور بعدازاں عسکری و سیاسی کے ساتھ ثقافتی ہوا۔ ہندستانی زندگی پر انگریزی معاشرت و ثقافت کے اثرات کا آغاز ۱۷ویں صدی میں پادریوں کی سرگرمیوں سے ہوگیا تھا۔ یہ اثرات ابتدا میں تبدیلی مذہب پر یعنی ہندستانیوں کو عیسائی بنانے تک محدود تھے۔ بعدازاں ان اثرات کا دائرہ وسیع کر دیا گیا اور پوری شخصیت کی تقلیب کو مقصود بنایا گیا۔ یونانیوں کے برعکس انگریزوں نے ہندستان (اور دیگر مقبوضات) پر اپنی ثقافت مسلط کرنے کی باقاعدہ اور ہمہ گیر کوششیں کیں جو حقیقی معنوں میں نوآبادیاتی پراجیکٹ تھا۔

برطانوی نوآبادیاتی پراجیکٹ کی ''متوازی تفہیم'' کے لیے ضروری ہے کہ یہ جانا جائے کہ پندرھویں صدی سے ہندستانی تہذیبی اداروں کا مغرب کی طرف رویہ کس نوعیت کا تھا؟ واضح رہے کہ اس عہد میں سب سے بڑا ہندستانی تہذیبی ادارہ دربار تھا۔ بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اہل ہند مغرب کی علمی و ثقافتی ترقی سے بے خبر اور مغرب سے ثقافتی روابط کے سلسلے میں لاتعلق تھے۔ یہ رائے اپنی اصل میں نوآبادیاتی ذہنیت کی اختراع ہے۔ ہندستان کے مسلمان بالخصوص اہل مغرب کی علمی پیش رفت سے آگاہ ہی نہیں، اس سے اکتساب کرنے کے حق میں بھی تھے۔ اکبر نے مغربی زبانوں (پرتگالی) اور اہل مغرب کے مذہب سے آگاہی کا رجحان پیدا کیا۔ پہلا مغربی مدرسہ اکبراعظم کی ترغیب سے دو پرتگالی پادریوں Father Edward Leiton اور Christopher de vega نے لاہور میں قایم کیا، جہاں لاطینی اور پرتگالی زبانیں سکھائی جاتی تھیں۔ اکبر کے فرزند مراد کو بھی اس سکول میں داخل کیا گیا۔ (Mahajan, History of India after 1526, P 2) اکبر کے وزیر اعظم ابوالفضل نے اکبر کے حکم پر انجیل کا ترجمہ ۱۵۸۷ء میں پادریوں کی مدد سے فارسی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا۔ اس طرح عبدالرحیم خان خاناں نے ۱۶۲۳ء میں اکبر کے حکم پر فرنگی زبانیں سیکھیں۔ خان خاناں پہلا ہندستانی مسلمان تھا، جو پرتگالی زبان بلاتکلف بولتا تھا۔ (**شبلی نعمانی، مقالات شبلی، حصہ اوّل، ص ۱۴۱**) معتمد خان پہلا ہندستانی مسلمان تھا، جو پرتگال کے دارالحکومت لزبن گیا اور ریاضی کی کسی کتاب کا لاطینی سے براہ راست ترجمہ کیا۔ داراشکوہ فرانسیسی فلاسفہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔

اکبر کی دل چسپی مذاہب اور ان کی آگاہی سے تھی، جب کہ سلطان ٹیپو اولین ہندستانی مسلمان تھا، جس نے مغربی اقوام کی علمی پیش رفت کا احساس کیا۔ اس نے ۱۷۸۸ء میں ایک سفارت فرانس کے شاہ لوئی شانز دہم کے دربار میں بھیجی۔ مگر انقلاب فرانس کی وجہ سے وہ سفارت دس سال کے بعد بے نیل مرام لوٹی۔ سلطان نے جمیع الامور (غالباً یونی ورسٹی کا ترجمہ) کے نام سے جدید انداز کا مدرسہ قایم کیا اور وہاں فرانسیسی اہل علم کو استاد مقرر کیا۔ اس مدرسے میں مغربی علوم کے تراجم کا ایک شعبہ بھی تھا۔ (**باری، کمپنی کی حکومت، ص ۴۵**) علاوہ ازیں متعدد ہندستانی اُمرا اور نوابین مغربی زبانوں، مذاہب، ادب اور سائنس و فلسفہ کی تحصیل اور ترویج میں مصروف تھے۔ ممالک یورپ کا سفر کرتے اور اس سفر کا احوال قلم بند کرتے۔ مرزا اعتصام الدین (۱۷۶۶ء)، میر محمد حسین فرنگی (۱۷۷۴ء)، قاضی نجم الدین کاکوروی (۱۷۹۵ء)، مرزا محمد فطرت (۱۷۹۷ء)، مرزا طالب اصفہانی (۱۷۹۹ء) دیار مغرب کے چند اہم سیاح ہیں۔ عبدالقادر جون پوری (۱۷۲۸ء-۱۷۸۷ء) مغربی علوم کے فاضل اور مترجم تھے، انھوں نے المحاکمۃ بین العلوم المشرقیہ والمغربیہ کے نام سے کتاب تصنیف کی، جو متداول مغربی و مشرقی علوم کے اولین تقابلی مطالعے پر مشتمل ہے۔ انھوں نے ایک دوسری کتاب ''کتاب فی التعقب علی الباکون المغربی'' میں بیکن کے افکار پر تنقید کی ہے۔ اس طرح کلکتہ کے آصف الدولہ کا وکیل تفضیل حسین خان ۹۲-۱۷۸۸ء کے زمانے میں نیوٹن کی پرنسپیا کا لاطینی سے عربی (یا غالباً فارسی) میں ترجمہ کرنے میں مصروف تھا۔ (**علامہ عبداللہ یوسف**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی، انگریزی عہد میں ہندستان کے تمدن کی تاریخ، ص ۱۰۳)

یہ درست ہے کہ یہ کوششیں بکھری ہوئی ہیں، اس لیے یہ برصغیر میں نئے اور مغربی علوم کے حصول کی منظم تحریک میں نہیں ڈھل سکیں، مگر ان سے اس تاثر کی یقیناً نفی ہوتی ہے کہ ان صدیوں میں ہندستانی ذہن ایک جامد ذہن تھا اور اسے باہر کی دنیا میں ہونے والی عالمی پیش رفت کی خبر تھی، نہ اس کے حصول کی کوئی تمنا۔

سوال یہ ہے کہ یہ تاثر کب اور کیوں پیدا ہوا؟ یہ سوال ہمارے موضوع کی بعض بنیادی گرہوں کو کھولنے کی کلید ہے۔ ہمارے موضوع کے تعلق میں ایک گرہ یہ ہے کہ برصغیر کی ثقافت اور ذہن پر مغربی اثرات کب اور کس صورت میں داخل ہونا شروع ہوئے؟ ہندستانی نوآبادیاتی عہد کی ہندستانی تاریخ بتاتی ہے کہ برصغیر کی ثقافت کو تہی داماں، ذہن کو جامد اور معاشرت کو زوال پذیر قرار دینے کا آغاز انگریزوں نے کیا۔ انھوں نے برصغیر کی اجتماعی زندگی کے جتنے مطالعات پیش کیے، اُن میں برصغیر کے لوگوں کو غیر مہذب، جاہل اور پس ماندہ قرار دیا۔ اس کے ساتھ ہی برصغیر کے باسیوں کو مہذب، تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ بنانے کا پراجیکٹ بھی پیش کر دیا۔ ابتدا میں یہ کام پادریوں نے کیا۔ مثلاً سیرام پور بنگال میں موجود ایک عیسائی مشنری ولیم وارڈ نے لکھا ہے:

> ''ہندستان کو وہ اعلا تہذیب حاصل کرنی چاہیے، جس کی اسے ضرورت ہے۔ اس تہذیب کو ترقی دینے کی وہ بخوبی اہلیت رکھتا ہے۔ مغربی ادب اس کی عام زبانوں میں سرایت ہو جانا چاہیے۔ تو پھر برطانیہ کی بندرگاہوں سے لے کر ہندستان کی بندرگاہوں تک سارا سمندر ہمارے تجارتی جہازوں سے معمور نظر آئے گا اور ہندستان کے مرکز سے اخلاقی تمدن اور سائنس تمام اشیا کو سیراب کر دے گا۔ کبھی کسی ایک قوم کو نفع کمانے کا ایسا اچھا موقع نہیں ملا۔ یعنی ایک کروڑ آدمیوں کو معقولیت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسرت کی زندگی کے اعلا مقام تک پہنچانا اور اُن کے ذریعے تمام اشیا کوعلم اور تہذیب کی روشنی سے منور کرنا۔" (ایضاً ص ۱۸)

دیکھنے میں یہ ایک عیسائی مشنری کا بیان ہے، مگر یہ ایک بیان پورے انگریزی مشن کے تمام اہم نکات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ مثلاً برصغیر معقولیت اور مسرت کی زندگی سے عاری ہے، اسے یہ دونوں چیزیں مغربی ادب، سائنس، اخلاقی تمدن اور عیسائی مذہب کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہیں اور اس کا نتیجہ انگریزوں کے حق میں نکلے گا اور ہندستان تا برطانیہ، تمام بحری راستوں پر برطانوی تجارتی جہاز رواں نظر آئیں گے یعنی ان کے بنیادی تجارتی مقاصد کا حصول آسان اور ہمہ گیر ہوجائے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ برصغیر پر مغربی اثرات اتفاقی اور آزادانہ ثقافتی روابط کا نتیجہ تھے نہ "فطری، تاریخی تسلسل" کا نتیجہ تھے۔ شمیم حنفی کا یہ کہنا درست نہیں کہ "ہندستان میں اٹھارویں اور انیسویں صدی کی تہذیبی نشاۃ ثانیہ کا اظہار علوم وافکار کے شعبوں میں جن تبدیلیوں کی وساطت سے ہوا انھیں روایت سے بغاوت کے بجائے زمانے کے فطری تسلسل اور اس کے خود کار عمل کا ایک لازمی عنصر سمجھنا چاہیے۔" (**جدیدیت کی فلسفیانہ اساس۔ ص ۲۲۰، ۲۳۰**) حقیقت یہ ہے کہ مغربی اثرات سوچے سمجھے، منظّم اور 'ہدف آشنا' تھے۔ لہٰذا یہ ان تہذیبی اثرات سے یک سر مختلف تھے، جو اس سے پہلے ہندستانی زندگی پر مسلمانوں کی آمد سے مرتب ہوے تھے۔ مسلم اثرات میں زبردستی نہیں تھی۔

برصغیر پر مغربی اثرات create a void and fill the void کی نوآبادیاتی حکمت عملی کے تحت، مرتسم ہوے یعنی پہلے ایک خلا پیدا کیا گیا اور پھر اسے پُر کرنے کی مساعی ہوئیں۔ اہل ہند کو ان کے غیر مہذب، اُجڈ اور پس ماندہ ہونے کا شدید احساس دلا کر، ان کے ذہنوں میں ایک خلا پیدا کیا گیا، اور پھر اسے انگریزی تمدن، ادب اور سائنس سے پُر کرنے کے طویل المیعاد منصوبے بنائے گئے اور ادارے وجود میں لائے گے۔ خلا پیدا کرنے کی پالیسی کے نتیجے میں برصغیر کے باسی اپنی صورتِ حال کے تجزیے پر یقیناً مائل ہوے، مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجزیے کا اسلوب اور تکنیک نوآبادیاتی تھا، دوسرے لفظوں میں برصغیر کے لوگوں کو ایک نیا زاویہ نظر "عطا" کیا گیا، نتیجتاً انھوں نے خود کو مغرب کے نوآبادیاتی ذہن کی نظر سے دیکھا۔

ڈاکٹر سیّد عبداللطیف نے لکھا ہے کہ برصغیر پر انگریزی اثرات چار ذرائع (channels) سے آئے۔ (ا) عمومی فضا، جو یکساں اور مستحکم انتظامیہ کی وجہ سے قایم ہوئی اور امن قایم ہوا۔ (ب) نیا نظام تعلیم، جس میں انگریزی پر زور تھا۔ (ج) انگریزی حکومت کا سیاسی، سماجی اور مذہبی سطح پر ردّعمل اور (د) اخبارات و رسایل۔ (*Influence of English Literature on Urdu Literature, P 40*) مغربی اثرات کے ضمن میں ان ذرائع میں سب سے اہم "عمومی فضا" اور نظام تعلیم ہیں۔ ڈاکٹر سیّد عبداللطیف نے 'عمومی فضا' کو سیاسی اور انتظامی مفہوم میں لیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ فضا ایک حد تک میشل فوکو کے ڈسکورس اور بڑی حد تک گرامسکی کے اجارہ داری (Hegemony) کے مترادف ہے۔ انگریزوں نے ہندستان میں جو سیاسی وحدت اور انتظامی امن قایم کیا، وہ مغربی نوآبادیاتی ڈسکورس اور اجارہ داری کے قیام کا ذریعہ بنا۔

ڈسکورس کے ذریعے کسی خاص موضوع کے ضمن میں لوگوں کے سوچنے کے طریقوں اور حدوں کا تعین ہوتا ہے۔ لوگ اس زاویے سے اور اتنی حد تک سوچتے ہیں، جس کی اجازت ڈسکورس دیتا ہے۔ برصغیر میں برصغیر کے متعلق ڈسکورس قایم کیا گیا، اور یہاں کے لوگ اپنے بارے میں آگاہی نوآبادکار کے قایم کیے گئے ڈسکورس کے ذریعے حاصل کرنے لگے۔

مذکورہ عمومی فضا ایک دوسری سطح پر 'اجارہ داری' تھی۔ اجارہ داری کی وضاحت ہیری سمارٹ کے لفظوں میں دیکھیے:

"Hegemony contributes to or constitutes a form of social cohesion not through force

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

or coercion, nor necessarily through consent, but most effectively by way of practices, techniques, and methods which infiltrate mind and bodies, cultural practices which cultivate behaviours and beliefs, tastes, desires, and needs as seemingly naturally occuring qualities and properties embodied in the psychic and physical reality (or "truth") of the human subject." *(Barry Smart, "The Politics of Truth and the Problem of Hegemony" in, Foucault: A Reader, P 160)*

ہر چند گرامسکی نے 'اجارہ داری' کی تھیوری، یورپی سرمایہ درانہ سماج میں سوشل ازم کے متوقع انقلاب کی ناکامی کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے وضع کی مگر غور کریں تو اس کا اطلاق نوآبادیاتی نظام پر بھی ہوتا ہے۔نوآبادکار بھی 'اجارہ داری' کے ذریعے اپنے استحصالی نظام کے استقرار کو ممکن بناتا ہے۔'اجارہ داری' کے اہم نکات تین ہیں: ایک سماجی ارتباط؛ دو مخصوص اعمال، رویے، منہاج؛ تین، سماجی اعمال اور رویّوں کا فطری نظر آنا۔یعنی اجارہ داری، طاقت استعمال کیے بغیر سماجی ارتباط پیدا کرتی ہے، یہ ارتباط سیاسی اور آئیڈیالوجیکل ہو سکتا ہے۔انگریزوں نے برصغیر میں سیاسی اتحاد پیدا کیا۔پورے برصغیر کو ایک سیاسی وحدت دی، تاہم آئیڈیالوجیکل سطح پر برصغیر کو تقسیم کیا۔ارتباط کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے کہ لوگ از خود اور یکساں طور پر سماجی و ثقافتی اداروں اور اعمال سے مخصوص اثر قبول کرنے لگیں۔یہ اثر اس وقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گہرا ہوتا ہے، جب لوگ سماجی و ثقافتی صورتِ حال کو فطری سمجھنا شروع کر دیں۔ وہ اسے حتمی، ناقابلِ تردید اور اٹل سچائی قرار دینے لگیں۔ اس کے خلاف منظم بغاوت کا خیال ترک کر کے اس کے ساتھ بہ رضا جینا شروع کر دیں۔ (۲)

انگریز نوآبادکاروں نے برصغیر کی ثقافتی زندگی کو اپنے نوآبادیاتی مقاصد کے تحت ڈھالنے کی غرض سے جو ڈسکورس قایم کیے اور جس اجارہ داری کی فضا کو قایم کیا، اُس کا سب سے اہم وسیلہ یا ادارہ اُن کا نظام تعلیم تھا۔ عبداللہ یوسف علی نے بجا طور پر لکھا ہے:

"More than all, an educational policy was launched which turned the Indian mind into channels of British thought in the fields of politics, ethics and social standards." ***(India and Europe, P 34)***

نظام تعلیم کے ذریعے ہندستانی ذہن کی تبدیلی کا تصور، انگریزوں نے خود اپنے تاریخی تجربے سے اخذ کیا۔ سولھویں صدی کے بعد برطانیہ، دیگر یورپی ممالک کے ساتھ جس عظیم الشان تبدیلی سے گزرا، اس کا باعث وہاں کی احیاے علمی کی تحریک تھی۔ اس تحریک نے یورپی ذہن کو اتنی گہری سطح پر اور اس کے ادراک کی بنیادی طرزوں کو بدل دیا کہ اس کے بعد یورپ نئے تاریخی عہد میں داخل ہوا۔ عہد وسطیٰ کا خاتمہ اور عہد جدید کا آغاز ہوا۔ یہ تاریخی تجربہ، نئے اذہان اور نئے تاریخی عہد کی پیدائش کے موثر ترین حربے کے طور پر انگریز نوآبادکاروں کے پاس موجود تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ برصغیر میں وارد ہونے والے انگریز افسر، برصغیر کی انیسویں صدی کی صورتِ حال کو مغرب کی سولھویں صدی کی صورتِ حال کے مماثل گردانتے تھے۔ ان میں سب سے اہم نام لارڈ میکالے کا ہے۔ اُس نے ۱۸۳۵ء کو اپنی مشہور تعلیمی رپورٹ میں یہ لکھا ہے کہ ہندستان میں وہی عمل دہرایا جانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہیے جو سولھویں صدی میں مغربی دنیا میں انجام دیا گیا تھا، یعنی مقامی زبانوں اور مقامی علوم کے بجائے پرانے کلاسیکی علوم انھی کی زبانوں میں پڑھائے جانے چاہییں۔ اس نے قطعیت سے لکھا:

> "What the Greek and Latin were to the contemporaries of More and Ascham, our tongue is to the people of India."
> ("Macaulay's Minute" مشمولہ، میکالے کا نظام تعلیم، ص ۶۷)

انیسویں صدی کے ہندستان کو سولھویں صدی کے یورپ کے مماثل قرار دینے اور ہندستانی سماج میں نئے (مغربی) رجحانات کو یورپی نشاۃ ثانیہ کے مساوی ٹھہرانے کا عمومی رویہ پیدا ہوا اور ہندستانی تاریخ کے بیش تر مورخوں نے برصغیر کی اصلاحی تعلیمی تحریکوں کو مسلم نشاۃ ثانیہ اور ہندو نشاۃ ثانیہ سے موسوم کیا۔ اس رویے کا ماخذ لارڈ میکالے اور دوسرے انگریز افسران کے خیالات ہیں، جنھیں ''اجارہ داری کی عمومی فضا'' کے تحت بیش تر ہندستانیوں نے قبول کرلیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی کا ہندستان، سولھویں صدی کے یورپ سے مماثلت رکھتا نہیں تھا، مماثل ٹھہرایا گیا۔ ہندستانی تاریخ سے متعلق یہ ایک ڈسکورس تھا، جس کے مقاصد نوآبادیاتی تھے یعنی برصغیر کے لوگ، برصغیر کی تاریخ کو یورپی ماڈل کی رُو سے سمجھنا شروع کر دیں۔ مثلاً یہی دیکھیے: سولھویں صدی میں یورپ آزاد تھا، جب کہ انیسویں صدی کا ہندستان مقبوضہ تھا۔ انگریز حکم رانوں اور ہندستانیوں میں مذہبی، علمی، تہذیبی، معاشرتی سطح پر فاصلہ موجود تھا اور انگریز نوآبادکار اس فاصلے کو قایم رکھنا ضروری خیال کرتے تھے، مگر ہندستانیوں کے مزاحمتی جذبات کو دبانے کے لیے انھیں یہ یقین دلانا ضروری سمجھتے تھے کہ وہ ان کے خیرخواہ ہیں۔ انگریز حکومت کے تمام وفاداروں کے لیے لازم تھا کہ وہ حکومت کی خیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہی کا باقاعدہ ورد کریں۔ اسی طرح انیسویں صدی میں انگریزی کا مرتبہ یونانی اور لاطینی کے برابر نہیں تھا۔

انگریزی تہذیبی اثرات کو برصغیر میں نئے تعلیمی نظام کے ذریعے پھیلانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ برصغیر کی تاریخ کو یورپ کی تاریخ کے مماثل ٹھہرایا جائے۔ برصغیر خود کو یورپ کی نظر سے اور یورپ کو آئیڈیل کے طور پر دیکھے۔ بعد میں تمام مصلحین نے ایسا ہی کیا۔

برصغیر کے لیے نشاۃ ثانیہ کی خواہش معیوب نہیں تھی۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مذکور ہوا، انفرادی سطح پر اس خواہش کا اظہار ہو رہا تھا اور جدید مغربی علوم کو حاصل کرنے کی تگ و دو ہو رہی تھی، مگر انگریز حکم رانوں کا برصغیر کے لیے نشاۃ ثانیہ کی خواہش کرنا اُن کے نوآبادیاتی پراجیکٹ کا حصہ تھا۔ مثلاً دیکھیے:

(ا) نیا نظام تعلیم مسلط کرنے کی کوشش کی گئی۔ مقامی لوگوں کی حقیقی تعلیمی ضروریات کو اُن کے تہذیبی پس منظر اور عصری احتیاجات کی رُو سے سمجھنے کی بے غرضانہ کوشش کہیں نظر نہیں آتی۔

(ب) جن انگریز ملازمین نے برصغیر میں ''نشاۃ ثانیہ'' کا بیڑہ اٹھایا، وہ انگریزی تہذیب کے بہترین دماغ نہیں تھے۔ ''معمولی دل و دماغ'' کے لوگ تھے، جو تعلیم یافتہ انگریزوں میں سے خود انگلستان کے لیے سیاسی اور ذہنی قائد چننے کے بعد بچ رہے تھے۔ (سید عابد حسین، قومی تہذیب کا مسئلہ، ص ۱۳۲) چناں چہ وہ تاریخ، تہذیب اور تعلیم کا عظیم وژن نہیں رکھتے تھے، جو کسی قوم میں انقلاب لانے کے لیے لازم ہوتا ہے۔ بالفرض اگر کچھ لوگ تاریخ و تہذیب کا علم رکھتے تھے تو ان کے دل ہندستان کی محبت سے خالی تھے (اور یہ عین فطری تھا)۔ لارڈ میکالے کی رپورٹ میں مقامی زبانوں (اور لوگوں) کے لیے جو تحقیر موجود ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انگریز حکم ران، تہذیبی اختلاط کے بجائے، تہذیبی تسلط کی پالیسی پر عمل پیرا ہوئے۔(۳) اور تہذیبی تسلط کا سب سے اہم ذریعہ نظام تعلیم بنایا گیا۔ ابتدا میں انگریزوں کا نظام تعلیم ہندستان میں رائج روایتی نظام تعلیم کے متوازی ظاہر ہوا، پھر آہستہ آہستہ اس نے روایتی تعلیمی نظام کو غیر موثر کرنے اور اپنی اجارہ داری کو قایم کرنا شروع کر دیا۔

ہر چند انگریزی نظام تعلیم نے رفتہ رفتہ پَر پُرزے نکالے، مگر اس کے اجارہ دارانہ مقاصد میں شروع سے آخر تک سرمو فرق نہ آیا۔ ابتدا میں عیسائی مشنری سکول قایم کیے گئے، جن کی مالی اعانت کمپنی کرتی تھی۔ ۱۷۱۵ء میں مدراس میں سینٹ میری سکول قایم ہوا۔ ۱۷۱۹ء میں بمبئی میں، ۱۷۳۱ء میں بنگال میں اسی طرح کے سکول قایم کیے گئے۔ اس طور ابتدا میں ''انگریزی وضع'' کی تعلیم مشنریوں کے ہاتھ میں تھی۔ ان اداروں میں عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ کو اولیت حاصل تھی۔ کمپنی کے کرتاؤں دھرتاؤں کا خیال تھا کہ عیسائیت کی تبلیغ اور ہندستانیوں کو عیسائی بنا کر سیاسی و معاشی مقاصد بہتر طور پر حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ ہندستانی عیسائی ان کے وفادار ہوں گے، (بعد میں اس خیال پر انھیں نظر ثانی کی ضرورت پیش آئی) اٹھارویں صدی کے ربع آخر میں کمپنی نے خود اپنے مدارس قایم کرنا شروع کیے۔ ۱۷۸۰ء میں کلکتہ میں وارن ہیسٹنگز کے حکم سے سکول کھولا گیا، جہاں مسلمانوں کو ان کے روایتی علوم انھی کی زبان میں پڑھائے جاتے تھے اور اور ۱۷۹۱ء میں بنارس کے ریذیڈنٹ جوناتھن ڈنکن نے اسی طرز کا سکول ہندوؤں کے لیے قایم کیا۔ عیسائی مشنری تعلیمی میدان میں اپنی اجارہ داری کا تصور رکھتے تھے، اس لیے اُن کے نزدیک کمپنی نے ان کی اجارہ داری کو چیلنج کیا۔ انھوں نے ان دونوں مدارس پر اعتراضات کیے۔ یہ اعتراضات نصاب اور ذریعہ تعلیم دونوں پر تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ''حکومت کی طرف سے سنسکرت یا عربی میں غیر عیسائی مذہبی تعلیم کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی نہ ہونی چاہیے۔'' اور ''عیسائی اصول پر انگریزی زبان میں تعلیم کا ہونا ضروری اور مناسب ہے۔'' (علامہ عبداللہ یوسف علی، *انگریزی عہد میں ہندستان کے تمدن کی تاریخ*، ص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۶) یعنی انگریزی حکومت کو عیسائی مذہب اور انگریزی زبان سے دل چسپی ہونی چاہیے۔ ان اعتراضات کے بعد انگریزی نظام تعلیم کا نصاب اور ذریعہ تعلیم معرض بحث میں آنا شروع ہوا۔ (۴) اس بحث میں شدت اور ایک فیصلہ تک پہنچنے کی ضرورت اس وقت پیدا ہوئی، جب ۱۸۱۳ء میں کمپنی کے چارٹر کی تجدید ہوئی اور حکومت برطانیہ نے کمپنی کے لیے لازم قرار دیا کہ وہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ تعلیم کی مد میں خرچ کرے، جس کا دوسرا مطلب یہ تھا کہ تعلیمی نظام کو کمپنی اپنے ہاتھ میں لے۔ آیندہ بیس بائیس برس تک کمپنی روایتی اور انگریزی طرز کے مدراس، دونوں کی سرپرستی کرتی رہی، تا آں کہ لارڈ میکالے ۱۸۳۴ء میں حکومت ہند کے نئے رکن قانون کی حیثیت سے مدارس میں وارد ہوا اور اسے مجلس تعلیمات عامہ کا صدر بنایا گیا۔ اس نے ۱۸۳۵ء کی تعلیمی رپورٹ میں یہ قطعیت سے لکھا کہ کمپنی کو اپنا تعلیمی بجٹ صرف اور صرف انگریزی تعلیم پر خرچ کرنا چاہیے اور کمپنی کو روایتی و مقامی مدارس کی مالی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔ میکالے نے دھمکی دی تھی کہ اگر اُس کی تجاویز پر عمل نہ کیا گیا تو وہ مجلس تعلیمات عامہ سے استعفا دے دے گا۔ یہ دھمکی کارگر رہی اور ۱۸۳۵ء سے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنا دیا گیا۔

یہ سمجھنا درست نہیں ہوگا کہ میکالے نے اپنی قوت لسانی سے اپنے ہم وطنوں کو قائل کیا۔ اس سے پہلے پادری ولیم وارڈ کا بیان درج کیا جا چکا ہے۔ اس طرح ۲۶ جون ۱۸۲۹ء میں حکومت نے مجلس تعلیمات عامہ کے نام خط میں لکھا تھا کہ ''حکومت برطانیہ کی خواہش ہے اور مسلّمہ لائحہ عمل ہے کہ اپنی زبان کو ہندستان میں رفتہ رفتہ اور آخر پورے طور پر سرکاری کاروبار کی زبان بنا دیا جائے۔'' (ایضاً ص ۷۱-۱۵۹) میکالے حکومت برطانیہ کا نمایندہ تھا اور اس کی سیاسی اور پیشہ ورانہ کام یابی کا انحصار حکومت برطانیہ کی خواہشات کی تکمیل پر تھا۔

برصغیر پر ابتدائی انگریزی تہذیبی اثرات کی نوعیت اور بعد ازاں انگریزی تہذیب کے تسلط کو سمجھنے کے لیے میکالے کی تعلیمی رپورٹ کے چند اہم نکات کا جائزہ ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوّل میکالے نے انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی تجویز دی۔ اس ضمن میں اُس نے انگریزی کی مدح اور مشرقی زبانوں کے ذم میں کم وبیش وہی اسلوب اختیار کیا، جو مدحیہ اور ہجویہ مقاصد میں برتا جاتا ہے۔ یعنی دونوں میں غلو سے کام لینا۔ اُس نے انگریزی کو یونانی و لاطینی کا ہم پلہ ٹھہرایا۔ حالاں کہ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں انگریزی کسی طرح بھی مغربی کلاسکی زبانوں، یونانی ولاطینی کی ہم پلہ نہ تھی۔ ابھی انگریزی ادبیات کی تدریس کا آغاز برطانیہ میں نہیں ہوا تھا۔ انگریزی ادبیات کی تدریس کا ابتدائی تجربہ برصغیر میں ہی کیا گیا۔ (۵)

برطانوی پارلیمان میں اپنی خطابت کے جوہر دکھانے والے اور تاریخی و ادبی موضوعات پر مقالہ نگاری سے شہرت پانے والے لارڈ میکالے نے مشرقی زبانوں کی بے مائیگی کو عالمانہ انداز میں واضح نہیں کیا، مگر مناظرانہ انداز میں ان کی باقاعدہ تذلیل ضرور کی ہے۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ اُس نے مشرقی زبانوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ اس کی رائے کا سرچشمہ کچھ لوگ ہیں، جن کا کہیں ذکر نہیں مگر مشرقی علوم کے بارے میں یہ دعوا وہ دھڑلے سے کرتا ہے:

> "I have never found one among them who could deny that a single shelf of a good European library was worth the whole native literature of India and Arabic."
>
> ***(Macaulay's Report, P 65)***

اسی پر بس نہیں وہ مشرقی تاریخ، مابعد الطبیعیات، طبیعیات اور دینیات کو false اور absurd قرار دیتا ہے۔ (*ibid p 70*) اور وہ مشرقی علوم کی کتابوں کو اس کاغذ سے بھی کم قیمت قرار دیتا ہے، جن پر انھیں چھاپا جاتا ہے۔ وہ ہر جگہ مشرقی علوم، ادبیات اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبانوں کو انگریزی علوم، ادبیات اور زبانوں کے مقابل رکھتا اور اوّل الذکر کی تحقیر کرتا، جو ہر نوآبادکار کا عمومی رویہ ہوتا ہے (بعد ازاں اپنے علوم، ادبیات اور زبانوں سے حقارت کا جو رویہ ہندستانیوں میں پیدا ہوا، اُس کا باعث یہ خیالات بھی ہیں) میکالے کی رپورٹ کا دوسرا قابلِ ذکر نکتہ یہ ہے کہ اُس نے انگریزی نظام تعلیم کو ہندستانیوں میں ایک نئے طبقے کی ''تخلیق'' کے لیے موزوں خیال کیا:

> "We must at present do our best to form a class who may be interpreters between us and the millions whom we govern-a class of persons, Indian in blood and colour, but English in tastes, in opinions, in morals and in intellects." *(ibid p 74)*

اس میں کسی شک کی گنجایش نہیں کہ انگریزی نظام تعلیم ایک نئی ہندستانی اشرافیہ پیدا کرنے کی غرض سے رائج کیا گیا۔ جو باہر سے ہندستانی، مگر اندر سے انگریز ہو۔ نئی ہندستانی اشرافیہ کی دو رُخی شخصیت نوآبادیاتی ضرورت تھی۔ باہر سے ہندستانی ہونے کی وجہ سے، وہ انگریز حکم رانوں کے یہاں برابری کا رتبہ نہ پا سکے اور اندر سے اینگلو ہونے کے سبب وہ ہندستانیوں میں خود کو اجنبی محسوس کرے، نیز اس کی منقسم شخصیت کا داخلی رُخ خود اپنے ہم نسلوں، اپنی روایت اور اپنے ماضی سے منقطع ہی محسوس نہ کرے، اُس سے حقارت کا رویہ بھی اختیار کرے۔ اپنے ماضی سے انقطاع کے بعد پیدا ہونے والے خلا کو بدیسی علوم، اقدار اور طرزِ فکر سے پُر کرے۔ دیکھنے میں یہ ایک شان دار پراجیکٹ تھا، خود اپنے انہدام کے بعد، خود اپنی تعمیر نو کا پراجیکٹ! پراجیکٹ کو شان دار بنانے کے لیے اسے باقاعدہ 'شعور' کے تابع رکھا گیا، مگر پھر یہی 'شعور' اس ''شان دار پراجیکٹ'' کی قلعی کھولتا ہے۔ یہ شعور، قومی اور انسانی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجائے نوآبادیاتی تھا۔ ہندستانیوں کو خود کو اپنے قومی اور انسانی شعور کے ساتھ سوچنے اور فیصلہ کرنے کی اہلیت کا علم بردار بنانے کے برعکس، انھیں انگریز نوآبادکاروں کا آلہ کار بنانا تھا۔

میکالے کی رپورٹ کے بعد انگریزی کو تمام سرکاری مدارس میں لازمی مضمون اور تمام مضامین کے ذریعہ تعلیم کے طور پر رائج کر دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ پہلے یہ سمجھا گیا کہ ہندستانیوں کو عیسائی بنا کر انھیں زیادہ بااخلاق بنایا جا سکتا ہے اور اخلاق سے مراد وہ اصول تھے، جو کمپنی نے وضع کیے تھے اور جن پر عمل کر کے ہندستانی کمپنی کے معاشی استحصال کو بغیر کسی مزاحمت کے قبول کرنے پر دل سے مایل ہو جاتے تھے، مگر اب سمجھا جانے لگا کہ تبدیلی مذہب کا عمل خطرناک ہے۔ تبدیلی مذہب کا آغاز سوالات سے ہوتا ہے۔ آخر نیا مذہب کیوں قبول کیا جائے؟ نئے مذہب کا جواز کیا ہے؟ نئے مذہب کے جواز پر مبنی سوالات، نئے حکم رانوں کے جواز کے سوالات مین بدل سکتے ہیں؟ اس خطرے کے پیش نظر عیسائی مذہبی تعلیم کی جگہ انگریزی ادب کی تدریس کی حکمت عملی تیار کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ میکالے کے خیالات، اس کے انفرادی خیالات نہیں ہیں، یہ حکومت برطانیہ کی سامراجی پالیسی کا حصہ ہیں۔ رابرٹ اینگلسٹن نے حکومت برطانیہ کی نئی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "The literature of England was seen as a mould of the English way of life, morals, taste and English way of doing things: why not teach Indians how to be more English by teaching them English literature? Studying English literature was seen as a way of civilizing the native

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

population." *(Doing English, p 11)*

عیسائی مذہب ہندستانیوں کو ''بااخلاق'' بناتا تھا تو انگریزی ادب سے توقع باندھی گئی کہ وہ ''مہذب'' بنائے گا۔ عملاً 'مہذب' بننے کا مطلب وہی تھا، جو ''بااخلاق'' بننے کا تھا: کمپنی کے وضع کردہ اصولوں کی پاس داری! تاہم یہ سمجھا گیا کہ ''بااخلاق'' بنانے میں جو خطرات تھے، وہ ''مہذب'' بنانے میں نہیں ہیں: تبدیلی مذہب کا عمل سوالات اُبھارتا ہے اور تدریس ادب نہیں۔

انگریز نوآبادکاروں کے لیے مذہب یا ادب کی اپنی داخلی/حقیقی قدر کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ انھیں اپنے معاشی مقاصد کے حصول میں آلہ کار کے طور پر بروئے کار لانے کا نقطہ نظر رکھتے تھے، جس زمانے میں برصغیر میں انگریزی ادب کو civilizing force کے طور پر کام میں لانے کی کوششیں ہو رہی تھیں، اسی زمانے (انیسویں صدی) میں انگلستان میں کچھ طبقات کو مہذب بنانے کا سوچا جا رہا تھا۔ صنعتی انقلاب کے بعد شہر پھیلتے جا رہے تھے اور اس پھیلاؤ کا بڑا سبب نادار مزدور تھے، جو جوق در جوق شہروں کا رُخ کر رہے تھے۔ انھیں 'وحشی' قرار دیا جا رہا تھا اور یہ خطرہ بھی لاحق ہو رہا تھا کہ کہیں وحشی سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔ (ibid, p 12) ان کی بغاوت کو کچلنے اور انقلاب کا راستہ روکنے کے لیے انھیں مہذب بنانے کی مہم شروع ہو رہی تھی۔ لاطینی اور یونانی سے یہ نادار وحشی واقف نہیں تھے، اس لیے انھیں انگریزی ادب کی تعلیم دینے کا خیال جنم لے رہا تھا۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس خیال کو عملی شکل ۱۸۳۵ء کے انگلش ایجوکیشن ایکٹ کی صورت میں ہندستان میں دی گئی۔ تب میتھیو آرنلڈ کی عمر فقط ۱۳ برس تھی، بعد میں جس نے ادب کے ثقافتی قوت ہونے کی تھیوری پیش کی اور کہا کہ ادب مذہب کی جگہ لے لے گا۔ ادب کو دیگر شعبوں کے مقابل رکھنے کا آغاز یونان سے ہوا تھا۔ افلاطون نے شاعری کو فلسفہ کے متوازی رکھا اور شاعری کو فلسفیانہ ادراک کے مقابلے میں کم تر قرار دے کر مسترد کیا۔ بعد میں رومانوی نقادوں نے شاعری (ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نزدیک شاعری پورے ادب کے مترادف تھی) کو تمام علوم کے مقابل رکھا۔ مثلاً انگریز نقاد اور شاعر ورڈز ورتھ نے کہا کہ شاعری تمام علوم کی جامع ہے۔ شاعری اسی طرح غیر فانی ہے، جس طرح انسانی دل؛ ("Poetry and Poetic Diction" in English Critical Essays, p 15-6) ورڈز ورتھ نے شاعری کو انسانی دل کی لازمانیت سے وابستہ کرکے اپنے عہد کے رائج عقلی علوم پر حاوی قرار دیا تھا۔ اور یہ عندیہ دیا کہ شاعری کا تعلق دل سے جب کہ علوم کا تعلق عقل سے ہوتا ہے۔ ورڈز ورتھ کے یہ خیالات انیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں سامنے آرہے تھے۔ گمان غالب ہے کہ انگریز نوآبادکاروں نے شاعری (ادب) کا یہ عقل مخالف، تصور ورڈز ورتھ سے حاصل کیا، مگر ایک مختلف منشا اور مقصد کے تحت! نوآبادیاتی ذہن نے انگریزی ادب کو ایک ایسے "ٹول" کے طور پر استعمال کرنے کا قصد کیا، جو اشیا و مظاہر کے جواز پر سوالات نہ اُٹھانے کی تربیت کرے۔ بعض ادبی متون سوالات اٹھانے یا ذہنی تحریک پیدا کرنے کا باعث ہو سکتے ہیں، اس لیے اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ صرف تفریحی نوعیت کے ادب پاروں کی تدریس کی جائے۔ انڈین ایجوکیشن کمیشن ۱۸۸۲ء کی رپورٹ کا یہ اقتباس چشم کشا ہے:

> "That works intended to teach the English language should be entertaining rather than instructive, the subjects of earlier lessons being such as are familiar to Indian boys, in order that time which ought to be spent in teaching the language should not be wasted in explaining ideas."
>
> *(P 340)*

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا ایسے ادبی متون کو اعلا جماعتوں کے نصاب میں شامل کیا گیا (ا) جو محض انگریزی زبان سکھاتے ہوں، (ب) بصیرت دینے کے بجائے تفریح مہیا کرتے ہوں (ج) تفریح ذہنی تحریک نہیں، اعصابی آسودگی دیتی ہے۔ ذہنی تحریک دینے والے متون شاملِ نصاب نہ ہوں۔ ہندستانی ذہن کو انگریزی ادب کی پوری روایت سے آگاہ ہونے، اس کی حرکیات کو سمجھنے کا کوئی موقع انگریزی نظام تعلیم نے نہیں دیا۔ ہندستانی ذہن انگریزی ادب کے محدود، نوآبادیاتی مقاصد سے متعین اور مسخ شدہ علم سے ''بہرہ یاب'' ہوا۔ آگے چل کر انگریزی/مغربی تنقید کی محدود اور غلط تعبیریں ہوئیں تو اس کا سبب ظاہر ہے۔ انگریزی کے ابتدائی اثرات انھی نصابات کے ذریعے اردو میں ظاہر ہوئے، جو برصغیر کے سرکاری مدارس میں پڑھائے گئے۔ اور نصابات بنانے والے مغرب کے بہترین ماہرین تعلیم نہیں تھے۔ انگریز نوآباد کار تھے، جنھیں صرف اپنے معاشی مفادات سے دل چسپی تھی اور جو ہر قسم کی عملی اور ذہنی مزاحمت کو روکنے کا ہر حربہ اختیار کرنے میں ذرا نہیں ہچکچاتے تھے۔ ہر قسم کی عسکری، طبعی اور ذہنی طاقت ان کے پاس تھی اس لیے ہچکچانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

دہلی کالج اور بعد ازاں دوسرے سرکاری مدارس میں اسی نوع کے نصابات شامل کیے گئے۔

انیسویں صدی کے پہلے نصف میں یہ بات طے کی جا چکی تھی کہ برصغیر کے باسیوں کی ذہنی زندگی کو یورپین (انگریزی) خیالات سے تبدیل کیا جائے گا۔ یہ بات طے کرنے والے جانتے تھے کہ خیالات کی تبدیلی سے کسی قوم کو نیا تصور کائنات، ایک نئی کونیات سے ہم کنار کیا جا سکتا ہے۔ وہ قوم ایک نئے عہد میں داخل ہو سکتی ہے۔ اگر ہندستان واقعی اپنی سابقہ کونیات کی نارسائیوں سے آگاہ ہونے، انھیں دور کرنے کی غرض سے، ایک نئی کونیات کو خود اپنے وسایل سے تشکیل دینے اور پھر اسے سماج اور کائنات میں اپنے جملہ اعمال کی بنیاد بنانے کے راستے پر گام زن ہوتا تو اعتراض کا محل نہ ہوتا۔ انگریز نوآباد کاروں نے یہاں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باشندوں کو نئی کونیات سے ہم کنار کرنے کا باقاعدہ، طویل المدتی منصوبہ بنایا، مگر اسے اپنے نوآبادیاتی مقاصد کے تابع رکھا۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی تین صورتیں اختیار کی گئیں۔ براہ راست انگریزی کی تعلیم دی گئی؛ انگریزی سے تراجم کیے گئے اور انگریزی ادب کی طرز پر نئی نصابی کتابیں تصنیف کروائی گئیں۔ اور ان سہ گانہ کوششوں کو اپنے نوآبادیاتی عزائم سے برابر مربوط رکھا۔ اگر ان کوششوں کے کچھ نتائج، ان سے وابستہ عزائم سے مختلف نکلے، یعنی کچھ لوگ انگریزی نظام تعلیم کی پیداوار ہونے کے باوجود، نوآبادیاتی صورت حال کے نقاد بنے تو اسے تاریخ کی اس آزادانہ حرکت یا انسانی آزادی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جس پر کسی انسانی ایجنسی کو اجارہ حاصل نہیں ہے!!

حواشی

1- Abdullah Yousaf Ali, *India and Europe*, P 25

His words are as under:

"... he (Alexander the Great) appointed local rulers and no doubt supported local institutions."

۲- اجارہ داری کی تھیوری پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ یہ عوام کو بھیڑوں کے گلے کا درجہ دیتی ہے، جنھیں کسی بھی سمت ہانکا جا سکتا ہے۔ یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ کیا ایک پورے عہد میں انحراف کی کوئی آواز نہیں ہوئی؟ بھیڑوں میں کوئی 'شیر' بھی ہوتا ہے، جو 'چرواہے' کو چیلنج کرنے کا حوصلہ (اور بصیرت) رکھتا ہو؟ یقیناً ہر عہد میں عوام کے انبوہ کثیر میں کچھ افراد ہوتے ہیں، جو رائج نظام سے ہٹ کر سوچتے ہیں اور بہت کم افراد ایسے ہوتے ہیں تو جو رائج نظام کا متبادل نظام پیش کرتے ہیں اور بہت ہی کم افراد ہوتے ہیں، جن کے پیش کردہ انحرافی نظام کو بعد میں، انقلاب کے بعد رائج ہونے کا موقع بھی ملے۔

۳- یہ پالیسی مسلمان حکم رانوں کے سیاسی فلسفے کے برعکس تھی۔ مسلمانوں کا دربار ایک تہذیبی ادارہ ہوا کرتا تھا، جس نے تمام ہندستانی رعایا کو یکساں حقوق دے رکھے تھے۔ مذاہب کی بنیاد پر کوئی تفریق نہ تھی۔ جب کہ انگریزوں نے ہندستانی رعایا سے فاصلہ اختیار کرنا لازم سمجھا۔ انگریز حکم رانوں کا دفتر ایک غیر ملکی آقا کا دفتر تھا، جہاں تک رسائی کے لیے ہندستانیوں کو نہ صرف پاپڑ بیلنا پڑتے تھے، بل کہ وہاں اپنی سیاسی وفاداری کا برابر یقین بھی دلاتے رہنا پڑتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ مرزا حامد بیگ کا یہ کہنا درست نہیں کہ ''ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس طرح مسیحیت کا پرچار کرنے والوں کو سختی سے کچلا ہے، اس کی مثال دنیا کے کسی خطے اور کسی زمانے میں نہیں ملتی''، (مغرب سے نثری تراجم، ص ۹۱)

۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

Robert Eaglestone, *Doing English*, P 11

کتابیات

۱۔ باری علیگ: کمپنی کی حکومت، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۹ء

۲۔ عابد حسین، سید: قومی تہذیب کا مسئلہ، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء

۳۔ عبداللہ یوسف علی، علامہ: انگریزی عہد میں ہندستان کے تمدن کی تاریخ، الٰہ آباد، ہندستانی اکیڈمی، ۱۹۳۶ء

۴۔ شبیر بخاری، سید: میکالے اور برصغیر کا نظامِ تعلیم، (یادداشت، حواشی و تعلیقات)، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۸۶ء

۵۔ شبلی نعمانی: مقالات شبلی، حصہ اوّل، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، س ن

۶۔ شمیم حنفی: جدیدیت کی فلسفیانہ اساس، نئی دہلی؛ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۵ء

۷۔ مرزا حامد بیگ: مغرب سے نثری تراجم؛ اسلام آباد؛ مقتدرہ قومی زبان، ...۱۹

8- Abdullah Yousaf Ali: *India and Europe*; London: Drane's Limited, 1925

9- David Couzens Ary (ed.), *Foucault: A Reeader*, New York: Basil Black Wel; 1989

10- Edmund Jones (ed.), *English Critical Essays in 19th Century*, London: Oxford University Press, 1963

11- Mahajan, *History of India after 1526*, Vol. III; Dehli, 1962

12- Robert Eaglestone, *Doing English*; London: Routledge, 2000

13- S. Abdul Latif, D, *Influence of English Literature on Urdu Literature*, London: Foster Brooms & Co. Ltd. 1924.

© rasailojaraid.com